مولانا محمد طاسین مدظلہٗ
صدر مجلس علمی، کراچی

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی

(۲)

مطلب یہ کہ چونکہ شروع میں اس کے لئے سازگار ذہنی ماحول موجود نہ تھا اور مخالف ردعمل کا اندیشہ تھا یعنی یہ کہ عام لوگ خوشی کے ساتھ اس کو قبول کر کے اس پر عمل نہیں کر پائیں گے لہٰذا مذکورہ حکمت عملی کے تحت اس وقت اس کا نفاذ نہ ہوا لیکن جب اس کے لئے سازگار فضا بھی تیار ہوگئی اور مخالف ردعمل کا خطرہ نہ رہا تو اس کا نفاذ عمل میں آیا۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ایک قول کتب حدیث میں ملتا ہے۔ جس کا مضمون کچھ اس طرح ہے کہ اگر شروع میں ہی شراب نوشی کی ممانعت کردی جاتی تو لوگ اس پر عمل نہ کرپاتے اور مقصد میں کامیابی نہ ہوتی جو بعد میں اس وقت ہوئی جب ذہن اس کے لئے تیار اور ہموار ہوگئے۔

یہی حکمت عملی اور یہی حکیمانہ طرز عمل معاشی اصلاح کے لئے معاشی قوانین کے نفاذ میں اختیار کیا گیا۔ پہلے مزارعت کی ایسی شکلوں کو ممنوع ٹھہرایا گیا جو عموماً نزاع و جھگڑے کا باعث بنتی تھیں اور بعد میں اس کی ہر شکل کی کلی طور پر ممانعت کردی گئی۔ معاملہ ربٰو کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا پہلے اس کی اَضْعَافاً مُّضَاعَفَۃً والی شکل سے روکا گیا اور آخر میں سنہ نو ہجری میں اس کی ہر شکل کو ممنوع قرار دیا گیا جب سورۃ بقرہ کی دس آیات نازل ہوئیں جن میں تحریم اور ممانعت ربٰو کا واضح اور قطعی حکم تھا۔ بعض روایات کے مطابق یہ آیات نزول کے لحاظ سے قرآن مجید کی تقریباً آخری آیات ہیں۔ خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعلانات فرمائے ان میں ایک اعلان ربٰو کی ممانعت کا بھی تھا۔ حجۃ الوداع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اسی دن پہلے ہوا یعنی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً اسی دن اس دنیا میں بقید حیات رہے ربٰو کی تحریم اور ممانعت کا اعلان اگر مدنی دور کے شروع یا وسط میں کردیا جاتا تو اس کے ردعمل سے مسلمان جماعت اور اس کے نصب العین کو نقصان پہنچتا کیونکہ اس وقت مسلمان معاشی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل نہ تھے بلکہ مجبور تھے کہ غیر مسلم یہودیوں کے ساتھ ان کی مرضی کے مطابق معاشی تعلقات استوار رکھیں۔ نیز اس وقت عام طور پر مسلمانوں کے اندر انفاق فی سبیل اللہ اور قرض حسنہ کا جذبہ بھی پوری طرح نہیں ابھرا تھا۔ اور بیت المال کا ایسا نظام بھی قائم نہ ہوا تھا جس سے ضرورتمندوں کی ضرورتیں پوری ہوجایا کرتی اور ان کو سود پر قرض لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن آخر میں جب مسلمان

معاشی لحاظ سے خود کفیل ہوگئے اور ان کے دلوں میں عام طور پر فی سبیل اللہ اور قرض حسنہ کا جذبہ موجزن ہوگیا اور بیت المال کا ادارہ بھی قائم ہوگیا تو ربٰو اور ربٰو کی طرح کے دوسرے معاملات کو قانونا ممنوع قرار دیا گیا۔

چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے روز اول سے مقصد یہ تھا کہ اسلامی ہدایات کے ذریعے اصلاح معاشرہ کا جو عظیم کام شروع ہوا ہے پائداری کے ساتھ مسلسل جاری رہے اور بالآخر پایہ تکمیل تک پہنچے اور کامیابی سے ہمکنار ہوا لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین ومعاندین کفار ومشرکین کے مقابلے میں مختلف حالات وظروف کے اندر مختلف رویے اور طرز عمل اختیار فرمائے۔ مکی دور میں مشرکین قریش کے تشدد کے مقابلہ میں عدم تشدد اور جوروستم کے جواب میں عفو درگزر کا رویہ اور طرز عمل اختیار فرمایا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مشرکین وکفار مکہ کے جارحانہ حملوں کے مقابلہ میں دفاعی جنگ کا رویہ اور طرز عمل اختیار فرمایا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو رویہ اختیار فرمایا وہ مصالحت کا رویہ تھا۔ فتح مکہ کے بعد سازشی مشرکین کے متعلق تشدد اور سختی کا رویہ طرز عمل اختیار فرمایا۔ اسی طرح مدینہ کے بعد ابتداء میں یہود مدینہ کے مقابلہ میں مصالحت کا رویہ اختیار فرمایا جیسا کہ میثاق مدینہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ بعد میں جب یہودیوں کی طرف معاہدوں کی خلاف ورزی سامنے آئی تو ان کے متعلق تشدد کا رویہ طرز عمل اختیار فرمایا گیا۔

غور سے دیکھا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین کفار کے مقابلہ میں جن حالات میں جو بھی رویہ اور طرز عمل **اختیار فرمایا** وہ مقصد مذکور کے لئے مفید اور ضروری تھا۔ مطلب یہ کہ اگر آپ مکی دور میں جب کہ مسلمانوں کی تعداد کفار ومشرکین سے بہت کم اور ان کے پاس اسباب کی قلت تھی کفار ومشرکین کے تشدد کا جواب تشدد سے دیتے۔ یا مدنی دور کے بتدائی سالوں میں مشرکین مکہ کے جارحانہ حملوں کے مقابلہ میں دفاعی جنگ کا رویہ اختیار نہ فرماتے اور جنگ کا جواب جنگ سے نہ دیتے۔ یا فتح مکہ کے بعد مشرکین مکہ کے متعلق تشدد کا رویہ اختیار نہ کیا جاتا اور ان کو من مانی کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ یا مدینہ کے ابتدائی دور میں مدینہ کے یہود وغیرہ کے ساتھ مصالحت کا رویہ اختیار نہ کیا جاتا بلکہ مخالفت کا رویہ اختیار کیا جاتا اسی طرح بعد میں جب یہود کی طرف سے معاہدوں کی خلاف ورزی سامنے آئی اور سازشوں میں شرکت منکشف ہوئی تو اس وقت اگر ان کے متعلق تشدد و سختی کا رویہ اختیار نہ کیا جاتا بلکہ صلح و نرمی کا رویہ اختیار کیا جاتا تو اس کے رد عمل کے نتیجہ میں مسلمان جماعت اور اس کے اجتماعی نصب العین کو شدید نقصان پہنچتا اور منزل مقصود کی طرف اس کی پیش قدمی رک جاتی اور عہد نبوت میں معاشرے کی مکمل اصلاح اور تمام ادیان پر دین اسلام کے غلبہ کا مقصد حاصل نہ ہو پاتا جس کا قرآن مجید کی آیت هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ میں ذکر ہے ترجمہ ہے اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطہ ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دکھائے اور اگر چہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے اور وہ غصہ سے کتنے ہی پیچ تاب کھائیں۔

حضرات یہاں تک جو عرض کیا گیا وہ حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ کے اندر پائی جانے والی عموی سیاست سے متعلق تھا جس سے عرب کے نہایت بگڑے ہوے معاشرے کی اصلاح کے کام میں فائدہ اٹھایا گیا اور جس کے معنے ہیں "القیام علی الشئی بما یصلحہ" اور اب میں اس خصوصی سیاست کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جو حکومت و ریاست کے امور و معاملات سے متعلق سیرت بھی حدیث وسیرت کی کتابوں میں کافی مواد ملتا ہے جس کا تمامتر تعلق سیرت طیبہ کے مدنی دور سے ہے اس لیے کہ ریاست و حکومت اور اس سے متعلق امور و مسائل ہجرت کے بعد مدینہ منورہ ہی میں پیش آئے خود مدینہ کے متعلق بھی اور جزیرۃ العرب کے دوسرے شہروں اور علاقوں سے متعلق بھی مدینہ منورہ پہنچنے کے کچھ عرصے بعد جو ایک عظیم سیاسی کارنامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ظہور میں آیا وہ وہ تحریری معاہدہ تھا جو مدینہ کے تمام باشندوں کے درمیان اتفاق کے ساتھ طے پایا اور اس کے نتیجہ میں مدینہ کے اندر امن و اطمنان کی فضا پیدا ہوئی ۔ اس کی کچھ تفصیل یہ کہ رسول اللہ صلہ اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ مدینہ کے اندر مسلمانوں کے علاوہ جو دوسرے غیر مسلم شہری ہیں ان میں ایک اچھی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اصل عرب اور بت پرست ہیں اور دوسرے خاصی تعداد میں اہل کتاب یہودی ہیں جو کافی زمانہ پہلے یہاں آکر آباد ہو گئے تھے لکھے پڑھے اور با اثر لوگ ہیں اور پھر بد قسمتی سے ان میں سے ہرا یک دو متحارب گروہوں میں منقسم تھا مشرکین جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہوگئے اوس اور خزرج دو متحارب قبیلوں پر مشتمل تھے اسی طرح یہود اہل کتاب بھی بنو نضیر اور بنو قریظہ وغیرہ قبیلوں پر مشتمل تھے جن کے مابین جنگ ہوتی رہتی تھی یہودیوں کا ایک قبیلہ مشرکین کے ایک قبیلہ کا حلیف اور دوسرا قبیلہ مشرکین کے دوسرے قبیلہ کا حلیف تھا باہمی اویزش اور جنگ کا سلسلہ کافی زمانہ سے ان کے مابین چلا آ رہا تھا جس کیوجہ سے مدینہ کی فضا مکدر کشیدہ اور پراگندہ تھی مدینہ کی یہ داخلی صورت حال چونکہ اس مقصد کی راہ میں رکاوٹ تھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا لہٰذا آپ نے اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور اپنے مقدس مشن کی کامیابی کے لے ضروری سمجھا کہ مدینہ کے غیر مسلم قبائل کے ساتھ دوستی اور امن و سلامتی کا معاہدہ کر کے ان کو ایک وسیع تنظیم و اتحاد میں منظم ومتحد کیا جاے چنانچہ اس کے لے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی ایک جامع اور قابل قبول دستاویز تیار کر کے سرداران قبائل کے سامنے پیش کی اور چونکہ معاہدے کی اس تحریر میں سب کیلیے تین چیزون یعنی جان مال اور آبرو کے تحفظ اور مذہبی آزادی کی پوری ضمانت موجود تھی لہٰذا اس کو قبول کرنے اور اس پر اتفاق کرنے میں کسی کو کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی اور سب نےاس پر رضامندی کا اظہار کیا اس تحریری معاہدے میں کیا کیا لکھا گیااور اس کے مندرجات کیا تھے اس کی پوری تفصیل حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے جو دیکھنا چاہے ان میں دیکھ سکتا ہے اس وقت میرا مقصد اس کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ اس معاہدے سے مدینہ کی داخلی فضا فوراً متاثر ہوئی اور بدامنی و بے چینی کی حالت امن و آشتی سے بدل گئی اور مسلمانوں کو اپنے مشن کیلیے سکون اور یکسوئی کے ساتھ کام کرنے کا

موقع میسر آیا یہ دستاویز آگے چل کر میثاق مدینہ اور مدینہ کی شہری ریاست کے دستور سے معروف ہوئی واضح رہے کی اس معاہدے و میثاق میں مدینہ کے تمام شہریوں کو ایک امت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا سربراہ تسلیم کیا گیا اور یہ قرار پایا کہ نزاعی امور اور معاملات میں آخری فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہوگا

علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی عرصہ میں مدینہ کے اردگرد رہنے والے کچھ دوسرے قبائل سے بھی دوستی اور سلامتی کے معاہدے کئے تاکہ آئندہ مشرکین مکہ کی طرف سے ہونے والے متوقع حملوں میں کچھ رکاوٹ پیدا ہو اور تحفظ میں مدد ملے ظاہر ہے کہ یہ معاہدے بھی سیاسی نوعیت کے تھے۔

اسی طرح منافقین کے ساتھ جو طرز عمل اختیار کیا گیا وہ بھی سیاسی نوعیت کا تھا اس کی کچھ تفصیل یہ ہے مدینہ میں کچھ لوگ دنیوی مصلحتوں اور مادی مفادات کی خاطر بظاہر مسلمان ہوگئے لیکن بباطن یعنی دل سے کافر تھے یہ لوگ زبان سے کلمہ شہادت پڑھتے مسلمانوں کے ساتھ مل کر نمازیں ادا کرتے روزے رکھتے جہاد وغیرہ میں شریک ہوتے اور تمام ظاہری اعمال بجالاتے لیکن ان کے دل ایمان سے خالی تھے نہ اللہ کی الوہیت پر ان کا ایمان تھا اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ان کا ایمان تھا مسلمانوں سے میل جول میں دوستی اور خیر خواہی کا اظہار کرتے اور دل میں ان کے متعلق عداوت و دشمنی رکھتے اور در پردہ ان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے دشمنان اسلام یہودیوں کے ساتھ مل کر پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازباز کرتے وغیرہ وغیرہ ان کی اس منافقانہ حالت کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انکشاف کیا علاوہ ان بہت سی آیات کے جو سورۃ التوبہ وغیرہ میں نازل ہوئیں ایک مستقل سورت المنافقون کے نام سے اتری۔ اور منافقوں کی حقیقت اور ان کی خباثتوں اور بدمعاشیوں کو بے نقاب کیا گیا۔ تاکہ مسلمان ان سے چوکنا رہیں اور دھوکہ نہ کھائیں۔اس بارے میں جو بات عرض کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ منافقین کے حالات بذریعہ وحی معلوم ہوجانے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقین کو مسلم جماعت سے نہ نکالنا۔ ان کو برداشت کرنا اور کوئی سزا نہ دینا۔ خالص سیاسی نوعیت کا رویہ اور اس شرعی مصلحت پر مبنی تھا کہ چونکہ ان کے ظاہری حالات کی وجہ سے غیر مسلم ان کو مسلمان گردانتے تھے۔ لہٰذا اگر ان کو ان کے نفاق اور باطنی کفر کی بنا پر مسلم جماعت سے نکال دیا جاتا اور ان کو وہ سزا دی جاتی جس کے وہ شرعاً مستحق و سزاوار تھے تو غیر مسلم کفار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور یہ کہنے کا موقع ملتا کہ محمدؐ اپنے ہی ساتھیوں سے بدسلوکی کی اور زیادتی کررہا ہے لہٰذا لوگوں کو اس کا ساتھ نہ دینا اور اس کا دین نہ قبول کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اسلام کی اشاعت پر منفی اثر پڑسکنے اور اس کو وقتی طور پر نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا لہٰذا اس وقت کے خاص حالات میں دینی مصلحت کا مقتضا تھا کہ منافقین کو بادل نخواستہ برداشت کیا اور ان کو وہ سزا نہ دی جائے جس کے شرعاً وہ مستحق تھے

اب میں اس نبوی ریاست و حکومت کے کچھ خدو خال اور خصوصاً کوائف بیان کرنا چاہتا ہوں جو حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی نظام و روایت کے مطابق مدینہ منورہ میں قائم فرمائی اور جس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سربراہ تھے یہ ریاست و حکومت اپنی خصوصیات کے لحاظ سے عجیب وغریب اور اپنی مثال آپ تھی اس میں سربراہ ریاست و حکومت کے لئے نہ کوئی تاج و تخت تھا نہ کوئی قصر و محل عام طور پر لوگوں کے رہن سہن اور بود و باش کا جو معیار تھا وہی سربراہ ریاست اور حکومت کا بھی تھا مظاہر معیشت میں اس کے لئے کوئی امتیاز نہ تھا ہر قسم کے "تکلفات سے پاک فطری سادگی اس کی شان تھی یہی حال اس کے سب رفقا کا بھی تھا جو ریاست و حکومت کے مختلف فرائض و وظائف انجام دیتے تھے معاشرے کے دوسرے افراد کے حقوق کا پوری طرح تحفظ کرنا لوگوں کے نزاعی امور و معاملات کو عدل و انصاف کے مطابق سلجھانا و نمٹانا' اور مملکت میں داخلی اور خارجی امن و امان کا قیام عمل میں لانا تھا لہٰذا اس نبوی حکومت میں اس کا مکمل طور پر اہتمام اور انتظام تھا اسلام کے قوانین عدل کے نفاذ اور ان پر عمل کے نتیجہ میں ہر فرد کے ہر قسم کے حقوق محفوظ تھے عدالت کا ایسا نظام قائم ہوا جس کے اندر ہر مظلوم دستغیث بغیر کسی روک ٹوک اور بغیر کسی دشواری کے مفت انصاف و داد رسی حاصل کر سکتا تھا دعویٰ' ثابت ہو جانے پر کسی ظالم اور غاصب کی مجال نہ تھی کہ وہ مظلوم کو اس کا حق واپس نہ لوٹاتے اور اپنی تعدی و زیادتی کا مناسب خمیازہ نہ بھگتے جرم و سزا کے قوانین سب کے لئے یکساں و برابر تھے ان کے نفاذ میں اللہ تعالیٰ' کا یہی فرمان اور حکم تھا۔

تیسری خصوصیت اس نبوی ریاست و حکومت کی یہ تھی کہ اس کے اندر لوگوں کی دنیوی و مادی رفاہیت اور فلاح و بہبود کے ساتھ انکی دینی اور روحانی حالت کی صلاح و فلاح کا بھی پورا اہتمام تھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں سب شہریوں کی مادی ضروریات کا خیال رکھتے وہاں ان کی روحانی و دینی ضروریات کی طرف بھی بھرپور توجہ فرماتے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقصد کی خاطر کہ معاشرے کو کوئی فرد اور ریاست کا کوئی شہری بنیادی معاشی ضروریات سے محروم نہ رہے ہر ایک کے لئے کسی نہ کسی شکل میں غذا لباس اور مکان کا انتظام ہو دو اسلامی ہدایات جاری فرمائیں ایک یہ کہ جو شخص کسب معاش کے سلسلہ میں کوئی کام کاج کر سکتا ہو وہ ضرور کچھ کام کاج کرے اور اپنا اور اپنے اہل و عیال کا معاشی بوجھ خود اٹھائے بلا کسی جائز عذر کے دوسروں پر بوجھ نہ بنے دوم یہ کہ جو لوگ کسی مستقل یا عارضی عذر جیسے بچپنے بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے کوئی معاشی کام کار کرنے اور خود کمانے کی قدرت و صلاحیت نہ رکھنے اور مفلس و نادار ہوں اور اقربا میں بھی کوئی ان کی معاشی کفالت کرنے والا نہ ہو تو ان کی معاشی کفالت کی ذمہ داری بیت المال پر اور معاشرے کے غنی و مالدار افراد پر عائد ہوتی ہے کہ وہ ان کے لئے معاشی ضروریات مہیا کریں نیز ایسے اشخاص بھی بیت المال سے وظیفہ پانے کے مستحق ہوتے ہیں جو اپنا پورا وقت تعلیم و تعلم یا دوسری اجتماعی خدمت میں صرف کر رہے ہوتے ہیں ان دو ہدایات پر پوری طرح عمل ہو تو کوئی شخص بنیادی معاشی ضروریات سے محروم اور تہی دست نہیں رہتا اس کے ساتھ ساتھ معاشرے کے معاشی توازن کو قائم و برقرار رکھنے کی خاطر اسلام کی ایک ہدایت اور تعلیم یہ بھی ہے کہ فاضل مال و دولت رکھنے والا کوئی فرد رہن سہن

وغیرہ میں ایسا بلند معیار زندگی اختیار نہ کرے جس کو معاشرے کے باقی افراد اختیار نہ کر سکتے ہوں کیونکہ اس سے باقی لوگوں کے اندر اس معیار زندگی کی ہوس و خواہش ابھرتی پھر جب اس کے لئے ان کی مالی حالت ان کا ساتھ نہیں دیتی تو وہ مایوسی کا شکار ہوتے یا اس کی خاطر ناجائز طریقوں سے حرام مال حاصل کرنے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں رشک کے بجائے عام طور پر حسد کا جذبہ نادار لوگوں کے دلوں میں ابھرتا اور عام لوگ اس اعلیٰ معیار زندگی اختیار کرنے والے کو برا سمجھنے لگتے ہیں غرض یہ کہ اس سے کئی اجتماعی مفاسد ظہور میں آتے اور معاشرے کو لازما ضرور نقصان پہنچتا ہے لہٰذا مدینہ کی اسلامی ریاست میں مذکورہ ہدایت و تعلیم پر بھی پوری طرح عمل تھا اور معیار معیشت میں تقریبا مساوات تھی بعض صحابہ کرامؓ کے پاس مال و دولت کی کثرت و فراوانی تھی جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ لیکن ان کا معیار زندگی دوسروں سے اعلیٰ اور ممتاز نہ تھا لکھا ہے کہ وہ جب اپنے غلاموں میں بیٹھے ہوتے تو باہر سے آنے والا کوئی اجنبی شخص پہچان نہیں سکتا تھا کہ ان میں آقا کون ہے اور غلام کون یہ اس لئے کہ ان کے سامنے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد تھا کہ جو خود کھاؤ وہی غلاموں کو بھی کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی اپنے غلاموں کو بھی پہناؤ وغیرہ وغیرہ بعض احادیث نبویہ سے بھی معلوم ہوا ہے کہ مدینہ میں کچھ صحابہ کرامؓ نے اپنے مکان کے اوپر قبہ کا بالا خانہ بنایا اور دوسرے مکانوں کے مقابلہ میں اس کے اندر ایک امتیازی شان پیدا کی اتفاق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا اس مکان کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے پوچھا یہ کس کا مکان ہے عرض کیا گیا فلاں کا ہے تو آپؐ کے چہرہ مبارک پر ناراضگی اور ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے بعد میں جب اس مکان کا مالک صحابیؓ حسب معمول خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو نہ سلام کا جواب ملا اور نہ اس کی طرف التفات فرمایا وہ نہایت پریشان ہوا وجہ دریافت کرنے پر ایک صحابی نے اس کو بتلایا کہ اس کی وجہ تمہارے مکان کے اوپر وہ قبہ نما بالا خانہ ہے جو تم نے حال ہی میں بنایا ہے اس کو دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوئے یہاں تک تمہارے سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہ ہوا یہ سنتے ہی وہ صحابی گھر گیا اور فورا بلا کسی تاخیر نئے تعمیر شدہ حصہ کو مسمار کر دیا اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ کچھ دنوں کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہاں سے جب دوبارہ گزر ہوا تو آپ نے مکان کے اس حصے کو نہ دیکھ کر ساتھیوں سے پوچھا کہ وہ کیا ہوا تو جواب میں عرض کیا گیا کہ جب اس کے مالک آپ کی ناراضی و ناگواری کا علم ہوا تو اس نے فورا اس حصہ کو گرا دیا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اسلام اس کو تو جائز تسلیم کرتا ہے کہ معاشرے کے بعض افراد کے پاس مال و دولت کم اور دوسرے بعض کے پاس وزیادہ ہو لیکن اس کو جائز تسلیم نہیں کرتا کہ جس کے پاس زیادہ مال و دولت ہو وہ فخریہ طور پر اور اپنی برتری جتلانے کے لئے اونچے معیار زندگی کے ذریعے اپنی مالداری اور دولتمندی کا مظاہرہ کرے جس کا دوسرا نام قارونیت ہے جو قرآن مجید کے اندر قارون کے قصے سے ظاہر ہوتی

اور جس کا برا انجام تباہی و بربادی ہے

انسان کے لئے علم کی جو اہمیت اور قدر وقیمت ہے وہ کسی بیان کی محتاج نہیں ایک حدیث نبوی میں علم کی طلب اور اس کے لئے کوشش ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے ایک حدیث نبوی کے الفاظ ہیں طلب العلم فریضہ علی کل مسلم و مسلمہ علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر لازم ہے چنانچہ مدنیہ منورہ کی اس اسلامی ریاست میں علم کے حصول کا پورا انتظام تھا علم میں چونکہ سرفہرست دین کا علم آتا ہے جس پر انسان کی حقیقی فلاح و کامرانی کا دار و مدار ہے لہٰذا اس ریاست میں ہر مسلمان اس علم سے آسانی کے ساتھ بہرہ ور ہو سکتا تھا بلکہ ضروری تھا وہ اس سے بہرہ ور ہو اور یہ جانتا ہو کہ جس دین کو اس نے اپنے لئے اختیار کیا ہے اس کی بنیادی اور موٹی موٹی باتیں اور تعلیمات و ہدایات کیا ہیں اور یہ کہ اس کے ذمے بحیثیت مسلم کے جو فرائض و واجبات عائد ہوتے ان کی تفصیل کیا ہے اور چونکہ یہ علم ایک انسان کو دوسرے انسان کے زبانی بیان سے حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا اس کے لئے لکھنا پڑھنا ضروری نہیں حدیث مذکور میں جس علم کا حصول ہر مسلم مرد اور مسلمہ عورت پر فرض قرار دیا گیا ہے وہ یہی علم ہے جو معلم کی زبان سے سن کر حاصل ہو جاتا ہے لکھنے پڑھنے والا علم نہیں ہمارے عقیدہ کےمطابق حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی انسان علم والا نہیں ہو سکتا بلا شبہ آپ علم کے بحر زخار تھے لیکن ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم رسمی طریقہ سے لکھنے پڑھنے کا مرہون منت نہ تھا آپ کو قرآن مجید کا علم کسی انسان سے نہیں بلکہ اللہ کی وحی سے حاصل ہوا بہر حال یہ حقیقت ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ علم اس انسان کو بھی حاصل ہوتا ہے جو باقاعدہ لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو صحابہ کرامؓ میں ایسے حضرات کی تعداد بہت کم تھی جو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں لیکن ان سب کو دین کا علم حاصل تھا بلاشبہ وہ عالم دین تھے باقی جہاں تک لکھنے پڑھنے کے علم کا تعلق ہے اسلام میں اس کی بھی بڑی اہمیت ہے جس کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ غزوہ بدر کے قیدیوں میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کی رہائی کے لئے مالی فدیہ کی بجائے یہ مقرر کیا گیا کہ ان میں سے ہر ایک کم از کم دو مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے علاوہ ازیں قرآن مجید کی متعدد آیات میں کاغذ قلم روشنائی اور کتاب کا جس اسلوب سے ذکر ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لکھنا پڑھنا انسان کیلئے نعمت ہے جس سے اس کو فائدہ اٹھانا چاہئے غرضیکہ اس میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ مدینہ کی اسلامی ریاست میں حکومت کے زیر سرپرستی دینی تعلیم و تعلیم کا باقاعدہ اہتمام تھا مسجد نبوی کے ایک حصہ میں صفہ کے نام سے ایک درسگاہ قائم تھی جس میں باقاعدہ معلم تیار کئے اور ملک کے مختلف علاقوں میں بھیجے جاتے تھے تاکہ وہ نو مسلموں کو قرآن مجید اور شریعت اسلامی کی تعلیم دیں اور یہ کہ اس کے عوض کسی سے کچھ نہ لیں۔

دینی تعلیم کی ادارے کیطرح وھاں دعوت و تبلیغ کا بھی ایک فعال ادارہ قائم تھا جس میں داعی اور مبلغ تیار کر کے غیر مسلموں میں دین اسلام کی دعوت و تبلیغ کیلئے حکومت کی نگرانی میں بھیجے جاتے تھے اور یہ

اس وجہ سے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ترجمہ ! مسلمانو ! تم بہترین امت ہو جو انسانیت کی بھلائی و بہتری کے لیے سامنے لائی گئی ہے لہٰذا تمہارا فریضہ ہے کہ اچھے کاموں کے کرنے کا حکم دو اور برے کاموں سے روکو اور اللہ پر ایمان کا ثبوت پیش کرو۔

دوسری آیت یوں ہے! وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ترجمہ ! مسلمانو ! تم میں ایک ایسی جماعت ضرور ہونی چاہیے جو خیر و بھلائی کی طرف لوگوں دعوت دے اور اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔

ان مذکورہ قرآنی آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کی یہ ایک اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ انسانیت کی بھلائی اور خیر خواہی کے جذبہ سے غیر مسلموں کو دین اسلام کی طرف دعوت دے اور انکے اندر تبلیغ کرے اچھائیوں پر امادہ کرے اور برائیوں سے روکے لہٰذا مدینہ کی اسلامی ریاست کے اندر اس اجتماعی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لیے دعوت و تبلیغ کا موثر اہتمام اور انتظام تھا باقاعدہ داعی و مبلغ تیار کر کے ان قبیلوں اور علاقوں میں بھیجے جاتے جو کفر و شرک میں مبتلا اور ایمان وتوحید سے نا آشنا تھے اور پھر دعوت و تبلیغ کا یہ مبارک اور اہم کام جزیرۃ العرب تک محدود نہ تھا بلکہ باہر کے کئی ممالک تک بھی وسیع اور پھیلا ہوا تھا کتب حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مختلف ممالک کے بادشاہوں اور سربراہوں کو دعوتی خطوط لکھے اور اپنے آدمیوں کے ذریعے بھیجے گئے جیسے ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر وغیرہ کو ان خطوط کے جواب میں ان کی طرف سے جو رد عمل سامنے آیا اس کی تفصیل حدیث و سیرت کی کتابوں میں درج ہے

اسی طرح چونکہ قرآن مجید میں مسلمانوں کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کی بھی ہدایت اور تاکید ہے اگرچہ وہ قتال دفاع ہی کے لئے کیوں نہ ہو باطل پرست جب حق کو مٹانے اور سرنگوں کرنے کے لئے امادہ جنگ و قتال ہو جاتے ہیں تو حق پرستوں پر فرض اور لازم ہو جاتا ہے کہ وہ جوابی اور دفاعی جنگ و قتال کریں اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے باقاعدہ ایک ایسی فوج کی ضرورت ہوتی ہے جو جنگی تربیت یافتہ اور حرب و قتال کے طور طریقوں کو جانتی اور ان میں مہارت رکھتی ہو لہٰذا مدنیہ منورہ کی نبوی ریاست میں اس کا بھی مناسب انتظام تھا صحت مند جواں مرد پر لازم تھا کہ وہ جنگ میں کام آنے والے فنون کی تربیت و مہارت حاصل کرے گھوڑ سواری تیراندازی نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے فنون سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کی کوشش اور جدوجہد کرے تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ قومی فوج میں شریک ہو کر دشمن کا مقابلہ کر سکے اس کے لئے وہاں فوج کا ایک الگ اور مستقل ادارہ موجود نہ تھا جیسا کہ عہد حاضر کی مملکتوں میں موجود ہوتا اور اس پر قومی خزانے کا بڑا حصہ صرف کیا جاتا ہے دراصل اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے جہاد و قتال میں حصہ لینے کے لئے جو فوجی تربیت اور جنگی مہارت حاصل کریں اس سے ان کا مقصد صرف دین حق کا

غلبہ اور اللہ کی رضا جوئی ہونا چاہیے مال دولت اور شہرت وغیرہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ ایک عبادت ہے اور عبادت کی صحت و قبولیت کے لئے اخلاص شرط ہے یعنی وہ خالصتہً اللہ کی رضا کی خاطر ہو یہ دوسری بات ہے کہ دشمن پر فتح کی صورت میں دشمن کا جو مال بطور غنیمت حاصل ہوتا اس کا ایک حصہ جہاد میں شریک مجاہدین کو ملتا ہے لیکن جہاد میں انکی نیت مال غنیمت کا حصول ہرگز نہیں ہونی چاہئے گویا اسلام میں فوج کا جو تصور ہے وہ تقریباً نیشنل آرمی کا تصور ہے بشرطیکہ اس کا مقصد کسی قوم کا دوسری اقوام پر غلبہ و استیلا نہ ہو بلکہ دین حق کا رویان باطل پر غلبہ اور استیلاء ہو

اور پھر چونکہ قرآن مجید میں مسلمانوں کے لئے اللہ تعالی کا واضح حکم تھا کہ تم امانتیں ان کو ادا کرو جوان کے اہل ہیں فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا (الآیہ) ترجمہ یقین کرو کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کو ادا کرو اور چونکہ امانت کی قسموں میں سے ایک قسم حکومت کا کوئی عہدہ اور منصب بھی ہے جیسا کہ بعض احادیث نبویہ سے ظاہر ہوتا ہے مثلاً ایک حدیث کے الفاظ ہیں اِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَۃُ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ قِیْلَ مَا اِضَاعَتُھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِھَا فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ ترجمہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب امانت کو ضائع ہوتا دیکھو تو قیامت یا تباہی کی گھڑی کا انتظار کرو کسی نے عرض کیا حضورؐ امانت کے ضائع ہونے کا کیا مطلب ہے تو آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا جب امارت اور حکومت کے مناصب نااہلوں کو دیئے اور سونپے جائیں تو قیامت یا تباہی و بربادی کی گھڑی کا انتظار کرو اس حدیث میں حکومت کے امور و مناصب و امانت سے تعبیر فرمایا گیا اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ حکومت و امارت کا ہر منصب اس شخص کو دیا جائے جو اس کی اہلیت رکھتا ہو یعنی اس منصب کی ذمہ داریوں کو جانتا اور ان کو پورا کرنے اور انجام دینے کی صلاحیت اور قدرت رکھتا ہو ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک موقع پر جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حکومت کے کسی منصب کیلئے درخواست کی تو اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حکومت کا یہ منصب ایک امانت ہے اور آپ کمزور آدمی ہیں ان ذمہ داریوں کو پورا کرنا آپ کے بس میں نہیں چنانچہ وہ منصب ان کو نہ دیا گیا اس حدیث میں بھی یہ تعلیم ہے کہ حکومت کا ہر منصب اور عہدہ صرف ایسے شخص کو دیا جائے جو اس کا اہل ہو یعنی اس کے فرائض کو جانتا اور انجام دینے کی قدرت و صلاحت رکھتا ہو اور اس میں اس کے حسب و نسب اور دوسرے اوصاف کو مدارنہ بنایا جائے بنابرین مدینہ کی اس اسلامی ریاست میں اس کا پورا التزام تھا کا اور حکومت کے عہدوں اور مناصب پر ایسے اشخاص کو متعین و مقرر کیا جاتا تھا جو اس کی اہلیت اور صلاحیت رکھتے تھے

اسی طرح چونکہ قرآن مجید میں مسلمانوں کے لئے یہ واضح تعلیم تھی کہ وہ اپنے اجتماعی امور کو باہمی صلاح و مشورہ سے طے کریں اسی طرح سربراہ حکومت و ریاست کے لئے بھی واضح حکم تھا کہ وہ کوئی اجتماعی فیصلہ کرنے سے پہلے ایسے اشخاص سے مشورہ کرے جو مشورہ دینے کی اہلیت رکھتے ہوں پہلی تعلیم قرآنی آیت

اَمْرُہُمْ شُوْرٰی بَیْنَہُمْ میں اور دوسری ہدایت قرآنی آیت وَ شَاوِرْہُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ میں مذکور ہے لہٰذا مدینہ کی اسلامی ریاست میں ایک مجلس شوری قائم کی تھی جس کے ارکان ایسے افراد تھے جو ممتاز دینداری کے ساتھ اجتماعی امور ومعاملات میں اعلیٰ سوجھ بوجھ گہری بصیرت اور اصابت رائے رکھتے اور عام لوگوں میں قابل اعتماد تھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنگامی قسم کے اجتماعی امور و معاملات جیسے جنگ و صلح کے معاملات کے متعلق آخری فیصلے سے پہلے اس مجلس مشاورت سے صلاح و مشورہ فرماتے تھے یہاں یہ واضح رہے کہ مجلس شوری کے ان ارکان کو ان کی اس خدمت کے عوض بیت المال سے کوئی صلہ نہیں ملتا تھا اورنہ ان کے لئے دوسری کوئی خاص مراعات تھیں جیسی کہ آج ارکان پارلیمنٹ کے لئے ہوتی ہیں گویا اسلام میں مجلس شوریٰ کی رکنیت کا منصب ایک اعزازی منصب ہے قرآن حکیم کی متعدد آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اموال نے غنیمت زکواۃ و صدقات کے جمع اور تقسیم کرنے کی ذمہ داری بھی سربراہ حکومت اور امیر ریاست کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری ہے یعنی یہ کہ اس کی نگرانی میں مذکورہ اموال ایک جگہ جمع ہوں اور قرآن مجید کے بیان کردہ مصارف میں خرچ ہوں اور چونکہ اس کے لئے اجتماعی بیت المال اور قومی خزانے کا وجود ضروری تھا لہٰذا عہدنبوت کی مدنی ریاست میں بیت المال کا ادارہ قائم ہوا اور حکومت کی نگرانی میں اس کے اندر جمع شدہ اموال احکام شریعت کے مطابق مختلف لوگوں میں تقسیم ہوتے رہے اور اس سے معاشرے کی معاشی اور اقتصادی حالت کو سدھارنے اور بہتر بنانے میں بڑی مدد ملی جیسا کہ اس ادارے کے قیام سے مقصود تھا

آخر میں یہ عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیئس ۲۳ سالہ پوری پیغمبرانہ زندگی مسلمانوں کے لئے اسوۃ حسنہ اور پیروی کا بہترین نمونہ ہے صرف مکی زندگی یا صرف مدنی زندگی کو اسوۃ حسنہ قرار دینا درست اور صحیح نہیں جیسا کہ بعض مسلمان خیال کرتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ پہلی مسلم جماعت جن مختلف نوع کے حالات سے گزری انہی حالات سے بعد کی مسلم جماعتیں بھی گزر سکتی ہیں اور یہ کہ پہلی مسلم جماعت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف حالات میں جو مختلف رویے اور طرز عمل تجویز اور اختیار فرمائے وہی رویے اور طرز عمل مختلف حالات میں بعد والی مسلم جماعتوں کے لئے بھی واجب الاتباع اور قابل پیروی ہیں اسی طرح اصلاح معاشرہ کے کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس حکمت عملی اور سیاست شرعی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا اوراس کے مطابق اصلاح کا مبارک کام انجام دیا بعد کے مسلم زعما و مصلحین کو بھی اصلاح معاشرہ کے کام میں اسی حکمت عملی اور سیاست شرعی کو پوری طرح ملحوظ رکھنا چاہیے بلکہ اتباع سنت رسول صلی اللہ وآلہ وسلم کا تقاضا ہے کہ وہ اس کے مطابق کام کریں ورنہ وہ حقیقی کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

pti

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہازرانوں کی جنت

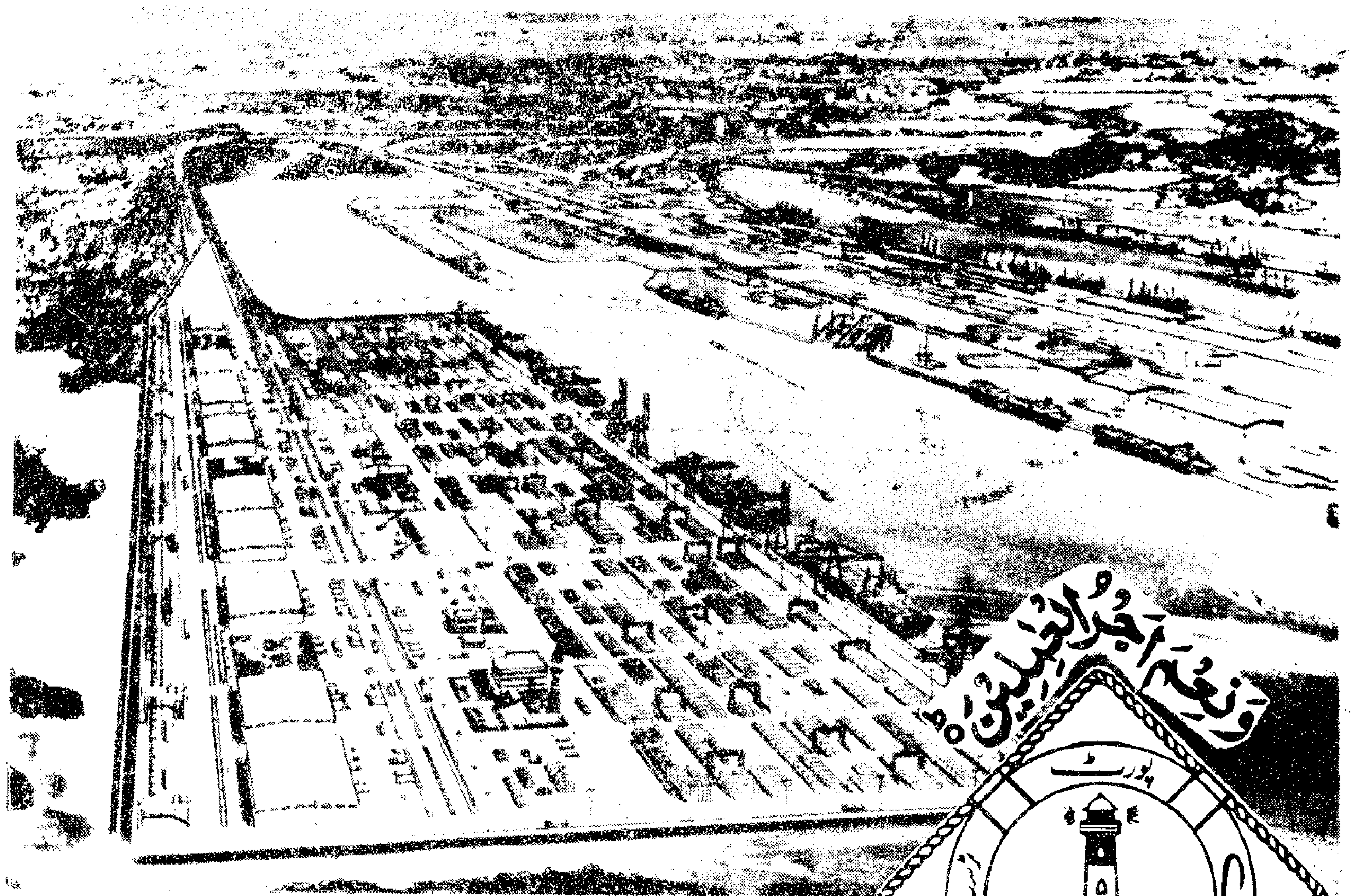

بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجینئرنگ میں کمالِ فن
- جدید ٹیکنالوجی
- مستعد خدمات
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ویں صدی کی جانب رواں

بمعہ

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں